مسئلہ احمدیت: بے سوچے سمجھے بولنے لکھنے والے

ڈاکٹر شہزاد

فرض کریں میں بوقت قیام مملکتِ اسرائیل وہاں اسرائیل کا شہری ہوتا۔ وہ لوگ مجھے اپنے شہری کے طور پر ملازمت میں لے لیتے، میں ترقی کرتے کرتے وہاں کا چیف جسٹس بن جاتا۔ اس حیثیت میں وہ لوگ، جی ہاں وہاں کے یہودی، اپنے مُلک کی تعمیر و ترقی کے لئے قانون دانوں کے کسی مجمع میں خطاب کی دعوت دیتے تو میں ڈنکے کی چوٹ پر بقائمی ہوش و حواس انہیں تجویز دیتا کہ اس مملکت کی بقا عبرانی زبان کے احیا میں مضمر ہے۔ لہٰذا اس زبان کو اسرائیلی قانون کی زبان بنایا جائے تبھی اسرائیل کے ساتھ وفا ہوگی۔ تبھی اسرائیل مضبوط ہوگا۔ یہ کہنے سے نہ تو میرا ایمان خطرے میں پڑتا اور نہ میں دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا اور یہی کام مغربی ممالک کی شہریت رکھنے والا ہر مسلمان کر رہا ہے۔ یہ کام کوئی بعید از فہم نہیں ہے۔ یہ ایمانی نہیں ایک عقلی نسخہ ہے۔ یہی کام کوئی ساٹھ سال قبل پاکستان کے اس وقت کے مسیحی چیف جسٹس جناب اے۔ آر۔ کارنیلیئس نے کیا تھا۔ آپ اُن کی تحریریں پڑھ لیں۔ چھپی ہوئی موجود ہیں۔

فرماتے ہیں: ملک کے تمام لا کالجوں میں داخلے کے لئے عربی زبان پر عبور ضروری قرار دیا جائے اور یہ کہ قانون کی تعلیم کے لئے ضروری ہو کہ ہر لا کالج میں شعبہ اسلامک جیور پروڈنس ہو اور قانون کی جملہ تعلیمات کا محور یہی شعبہ ہو۔ یہ کچھ کہنے کے بعد بھی جناب کارنیلیئس کیتھولک مسیحی ہی رہے اور اسی حیثیت میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ادھر اپنے ملک میں ''پڑھے لکھوں'' کا ایک ہجوم ہے جو لفظ نظریہ پاکستان سنتے ہی حواس کھو بیٹھتا ہے اور کہلاتا پھر بھی مسلمان ہے۔ میرے علم میں دُنیا کا کوئی ایک ملک ایسا نہیں ہے، جس کا کوئی نظریہ نہ ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں لفظ نظریہ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے دیگر ممالک میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ امریکہ کی نسبت سے اگر کوئی کہے کہ ''نظریہ امریکہ کا تقاضا ہے کہ'' تو بات بظاہر عجیب سی ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ امریکہ نامی ملک کسی نظریے کے بغیر ہوا میں معلق ہے تو ایسے شخص کو اپنے علمی مرتبے پر نظر ثانی کر لینا چاہئے۔ ذرا امریکہ میں جا کر کوئی کہہ کر دیکھے کہ شہریوں کو حاصل مطلق اور مادر پدر آزاد قسم کی آزادی ذرا غیر اسلامی قسم کی ہے۔ لہٰذا میں امریکہ میں بطور امریکی شہری رہ کر اس آزادی کے خلاف اپنا ''حق آزادی'' استعمال کرتا ہوں تو پھر دیکھتے ہیں کتنے گھنٹے وہ جیل سے باہر رہتا ہے۔ پاکستان میں مقیم ہندو، سکھ، مسیحی اور دیگر چند چھوٹے چھوٹے مذاہب کے ماننے والے نہ صرف اپنے بارے میں یکسو ہیں، بلکہ وہ پاکستان کو مسلمانوں کا اسلامی مُلک تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ میں ججوں کا ایک گروپ سپریم کورٹ میں لے گیا۔ ضلعی عدلیہ کے افراد بالخصوص دور دراز علاقوں میں تعینات ججوں کے لئے چیف جسٹس آف پاکستان سے ملنا ایک تاریخی لمحہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ ہم انہیں ترجیحی بنیادوں پر وہاں لے جایا کرتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو جناب چیف جسٹس افتخار محمد چودھری صاحب نے ملاقات سے معذرت کی اور دیگر دو ججوں کو ملاقات کرنے کی ہدایت کی۔ الگ بات ہے کہ میں نے اپنے طریقے استعمال کر کے انہیں بعد میں دفتر سے نکلوالیا۔ وہ ہمارے ساتھ شریک ہوئے۔ البتہ اس نشست سے جناب جسٹس رانا بھگوان داس صاحب نے خطاب کیا۔ خطاب سے قبل انہوں نے پورے اہتمام کے ساتھ

تلاوت قرآن پاک کرائی۔اسے احترام سے سنااوراسلامی قانون کے بارے میں بڑی مفید باتیں کیں۔

جولوگ آج کل احمدیوں کے خودساختہ وکیل بنے ہوئے ہیں، ان سے کوئی مذہبی، کوئی عقیدے پرمبنی اورعلم الکلام والاسوال نہیں ہے۔سادہ سا قانونی، بلکہ آئینی سوال ہے کہ 1974ء کے بعد ہونے والے کسی انتخاب میں کسی احمدی نے کبھی قومی یا صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا ہوتو مجھے اس کا نام ای میل کردیں۔صرف 1974ء میں ایک دفعہ قومی اسمبلی میں بشیر طاہر نامی شخص اور پنجاب اسمبلی میں ایک اور شخص اقلیتی احمدی نشستوں پر بھٹوصاحب کی کوششوں سے آئے۔ جماعت احمدیہ نے البتہ ان دونوں حضرات سے لاتعلقی اوراُن کی اسمبلی رکنیت سے برأت کا اعلان کردیا تھا۔اس کے بعد احمدی جماعت میں سے کوئی شخص کسی اسمبلی میں آج تک نہیں آیا، نہ بذریعہ انتخاب نہ خصوصی نشستوں پر! بھلا کیوں؟ وجہ صرف ایک ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے آئین کوتسلیم نہیں کرتے۔ اِس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی مالیاتی یا پانی کی تقسیم کا کوئی آئینی مسئلہ ہے، بلکہ اِس لئے کہ یہ لوگ خودکومسلمان سمجھتے ہیں اور ہم مسلمانوں کو کافرسمجھتے ہیں اوراس باب میں پاکستان کا آئین ان کے عقیدے کے خلاف ہے لہٰذا وہ کبھی کسی انتخاب میں حصہ نہیں لیتے۔ یہ ہے مدعی کا دعویٰ! جس کسی کو یقین نہ آئے وہ کسی احمدی سے جا کرتصدیق تکذیب کرلے۔اور یہ بات ان کے خلیفہ نے 1974ء میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں برملا کہی تھی۔جس کسی نے بھی اس حالیہ قضیے میں اس ماہر معیشت کا نام اقتصادی کونسل کی رکنیت کے لئے ڈلوایا، دل کی گہرائی سے اس کا شکریہ! حالت یہ تھی کہ والدین اپنی ذمہ داریاں بھول کراولاد کو بس انگریزی سکھانے میں لگے ہوئے تھے۔اولاد کو نہ تاریخ پاکستان کا پتہ تھااور نہ اکابرتحریک پاکستان کی خبر۔ مذہب تو بس صرف ”شدت پسندوں“ کا مسئلہ رہ گیا تھا۔ دِل اِس لئے خوش ہوا کہ ایک احمدی کا نام ایک معمولی سی جگہ پرآنے کی دیر تھی، سوئی ہوئی مخلوق بیدار ہوگئی۔نئی نسل کے جس کسی کو اس ناسور کا علم نہیں تھا، ایک نئی بحث شروع ہوجانے پراسے معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ کون ہیں، ان کا عقیدہ کیا ہے اور پاکستان کے آئین کی بابت ان کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ جب مَیں نے اخبار میں لکھنا شروع کیا تھا تو اوّل دن سے مَیں نے اپنے لئے چند رہنما اصول طے کئے تھے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ اپنی بات مثبت انداز میں بس بیان کرنا ہے۔کسی سے اُلجھنا یا اختلاف نہیں کرنا۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر بیان کرے۔ میں کسی کے نظریے پر کیوں حرف زنی کروں؟ آج مجھے اپنے اس اصول سے اِس لئے انحراف کرنا پڑرہا ہے کہ بہت سے لکھنے والے آج کل ایک ایسے مسئلے پر بے تکان بولے یا لکھے جارہے ہیں، جس پرانہیں نہیں بولنا چاہئے۔ جماعت احمدیہ کے یہ خودساختہ وکیل آج کل احمدیوں کے حق میں کبھی انسانی حقوق کے نام پر تو کبھی اقلیتوں کے حوالے سے عجیب عجیب بے سروپا باتیں لکھ یا بول رہے ہیں، جن سے کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ ان کے عقیدہ ختمِ نبوت پر زد پڑ رہی ہوتی ہے۔ابھی آج ہی ایک صاحب نے واٹس ایپ پر جو کچھ بھیجا ہے، ملاحظہ ہو:

”ٹیکہ لگوانے سے پہلے ڈاکٹر کا عقیدہ پوچھ لیجئے اگر وہ احمدی ہوتو اس سے ٹیکہ ہرگز نہ لگوائیں ورنہ ختمِ نبوت پر سے ایمان جاتا رہے گا“۔

اس طرح جگتیں بنانے والے دوطرح کے لوگ ہیں: ایک تو وہ لوگ جن کا کچا پکا علم ہوتا ہے۔اخبار میں رہ کراخباری ضروریات کے مطابق اور بڑوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے باعث کچھ لکھنا سیکھ گئے ہیں۔ان کی تحریریں عام اُردو پڑھنے والوں میں خاصی مقبول ہوتی ہیں۔ یہ لوگ لکھنے والوں کے اس طبقے سے ہیں جو پروین شاکر کے بقول: ”بستی میں جتنے تھے آب گزیدہ وہ سب کے سب/ دریا کا رُخ بدلتے ہی تیراک ہوگئے“ ابھی کل تک ایک کالم نگار صاحب پچھلی حکومت کے گیت گارہے تھے۔آج

تحریک انصاف والے ان کی تحریریں چوم چوم کر پڑھ رہے ہیں۔ایسے لوگوں سے کچھ بھی لکھوالیں۔ان کی کچھ قیمت ہے، بس وہ ادا کردیں۔نہ ادا کریں تو بھی یہ لوگ پھیری والوں کی طرح صدائیں لگاتے رہتے ہیں۔ایک نہ ایک دن گاہک آہی جاتا ہے۔یہ لوگ میرے پیش نظر نہیں ہیں۔محدود ذہن، محدود ترجیحات اور لامحدود خواہشات وضروریات کے باعث یہ لوگ نہ کوئی بات جانتے سمجھتے ہیں اور نہ ان کی لامحدود خواہشات وضروریات ان کو کچھ سمجھنے کے رخ پر جانے کی اجازت دیتی ہیں۔محترمہ آپا نثار فاطمہ کا بیٹا بھی اگر میرٹ کے نام پر احمدیوں کا وکیل بن بیٹھا ہے تو کوئی تعجب نہیں ہوا۔اسے پتہ ہے کہ اقتدار کی راہداری میں داخلے کا دروازہ عورتوں کے حقوق اور اقلیتوں کی جائز وناجائز وکالت سے عبارت ہے۔یہ معجون مغربی دنیا کا دیا ہوا ہے۔دوسرے لکھنے بولنے والے وہ لوگ ہیں جو الہامی راہنمائی سے روشنی لینا تو درکنار اسے الہامی سمجھتے ہی نہیں۔یہ طبقہ نہ صرف پڑھا لکھا اور ذہین ہے، بلکہ کہنے کی حد تک مکالمے کا داعی ومبلغ بھی کہلاتا ہے۔دن رات جمہوریت کے حق میں بولیں لکھیں گے، لیکن جمہور جس بات پر ایمان رکھیں، جس کے حق میں ووٹ دیں، اگر وہ بات ان کے نظریات سے متصادم ہو تو پھر کون سا مکالمہ اور کون سے جمہور؟ عجب تماشا ہے کہ مُلک کے تمام مکاتب فکر، تمام سیاسی جماعتیں بشمول مرحوم بھٹو جیسا مغرب زدہ یکسو ہو کر بیک زبان احمدیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیتے ہیں اور یہ سیکولر اور لبرل کہلانے والے اسے ”آئینی جھول“ قرار دیں۔مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔ضرورت پڑنے پر یہ لوگ جمہوریت کا نقاب لے لیتے ہیں۔اس میں پہچان لئے جائیں تو انسانی حقوق کا چھاتا لے لیتے ہیں۔جگر مراد آبادی سے لے کر پیچھے غالب تک کون سا نامی گرامی ادیب شاعر گزرا ہے جو بادہ خوار نہ رہا ہو، لیکن اُن لوگوں نے نشے کی حالت میں بھی کبھی شعائر اسلام کی تضحیک نہیں کی۔ادھر ایک صاحب کو ہر دوسرے تیسرے ماہ دورہ پڑتا ہے۔کبھی وہ ثقافت کے نام پر کبھی آزادی رائے اور کبھی سیاحت کے پردے میں شراب کی کھلے عام خرید وفروخت کے وکیل بن کر آتے ہیں۔ یہ کام مری بروری کے غیر مسلم مالک نے بھی کبھی نہیں کیا، جس کا کام ہی شراب کی تیاری ہے۔

گزشتہ چند برسوں سے ذرائع ابلاغ میں سیکولر یا سیکولرزم اور لبرل یا لبرلزم کے اُردو ترجمے پر کئی تحریریں پڑھنے کو ملتی رہی ہیں۔ان الفاظ کا ترجمہ ہر معاشرے اور ہر ملک کے لئے الگ ہوتا ہے۔برطانیہ ایک سیکولر مُلک اور لبرل معاشرہ ہے۔اس پس منظر میں وہ نہ صرف مساجد کے لئے کھلے دِل سے جگہ اور سہولت بہم پہنچاتے ہیں، بلکہ پتہ کر لیجئے دینی مدارس چلانے کے لئے وہاں کھلے دل سے سرکاری امداد بھی دی جاتی ہے۔اب ان مذکورہ الفاظ کا ترجمہ پاکستان میں ہرگز نہیں چل سکتا۔میری ذاتی رائے میں پاکستان کے تناظر میں مذکورہ بالا الفاظ کا صحیح ترین ترجمہ منافق یا منافقت ہے۔ہندو کو اپنے ہندو ہونے کا پتہ ہے ہمیں بھی پتہ ہے۔ہندو ہمارے قانون کے لئے اتنا ہی محترم اور قیمتی ہے جتنا کوئی دوسرا مسلمان شہری ہے۔وہ کبھی کسی احمدی کی وکالت نہیں کرے گا، لیکن یہ منافق لوگ نہ ملکی آئین کو تسلیم کریں۔نہ عامۃ الناس کی خواہشات کا احترام کریں۔نہ ان لوگوں کے خلاف بولیں، بلکہ ان کے حق میں بولیں جو آئین کے دشمن ہوں۔قارئین کرام! کیا ایسے لوگوں کو سیکولر یا لبرل جیسا پاکیزہ، جی ہاں برطانیہ کے تناظر میں پاکیزہ، عنوان دینا کیا اس لفظ کی توہین نہیں ہے؟ اور اگر یہ لوگ منافق نہیں ہیں تو پھر منافق اور کون لوگ ہوتے ہیں؟ میرے لئے جناب جسٹس اے۔آر۔کارنیلئیس ان منافق لوگوں کی نسبت لاکھوں درجے بہتر ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ اے۔آر۔کارنیلئیس اور جناب جسٹس رانا بھگوان داس صاحب کا حساب کرتے وقت انہیں کسی ایسے زمرے میں رکھے، جو احمدیوں کے ان لبرل اور سیکولر وکلا سے کوسوں دور اور مسلمانوں کے کیمپ سے قدرے قریب ہو، آمین۔اسی سے ملتی جلتی دعا سید صلاح الدین مدیر تکبیر نے جناب جسٹس اے۔آر۔کارنیلئیس کی وفات پر کی تھی۔(مطبوعہ: روزنامہ پاکستان 10 ستمبر 2018)